ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

جنوری ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

January 2020

ایک ایسی دنیا میں جہاں عقل انسان کا سب سے بڑا شرف ہے
معقول انسان ڈھونڈے سے نہیں ملتے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

وہی رہ گزر

تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا دلچسپ، علمی و فکری سفرنامہ

قارئین کی خدمت میں تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا سفرنامہ "وہی رہ گزر" پیش خدمت ہے۔اس بندہ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ سوچتا رہتا ہے اور جو طبیعت عطا کی ہے وہ چیزوں سے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے۔ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اگر درست زاویہ نظر عطا کردے تو پھر اسے ہر ملک خدا کا ملک نظر آتا ہے اور ہر جگہ سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔یہی صورتحال قارئین تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے اس سفرنامے میں پائیں گے۔

یہ سفرنامہ روداد سفر کے ساتھ افکار و خیالات کا ایک مجموعہ ہے۔فکر و سفر کی اس روشنی میں قارئین بہت سی ایسی حقیقتیں دیکھیں گے جو گھر بیٹھے دیکھنا آسان نہیں ہے۔"وہی رہ گزر" کی شکل میں یہ روشنی ان قارئین کی نذر ہے جو زندگی کو ایک سفر اور آخرت کو اس کی منزل مان کر جیتے ہیں۔

ابو یحییٰ

ماہنامہ

اِنذار

جنوری 2020ء   ربیع الثانی/جمادی الاول 1441ھ

جلد 8 شمارہ 1

فی شمارہ ــــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

ناروے میں قرآن کی بے حرمتی

پچھلے دنوں ناروے میں قرآن مجید کو جلانے کا ایک واقعہ پیش آیا۔ احباب کا مسلسل تقاضا ہے کہ میں اس بارے میں کچھ لکھوں۔مگر میں سوچتا ہوں کہ اس واقعے کے حوالے سے کیا لکھوں؟ ان کے بارے میں لکھوں جو قرآن کو نہیں مانتے اور پھر اس کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں یا ان کے بارے میں لکھوں جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور پھر بھی کلام اللہ سے بے وفائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

وہ کون لوگ ہیں جو کتاب اللہ کو برسوں ہاتھ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے؟ وہ کون لوگ ہیں جو اس کتاب ہدایت کو پڑھتے ہیں، مگر کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟ وہ کون لوگ ہیں جن کی سیرت قرآن کے مطلوب انسان کے بجائے قرآن کے غیر مطلوب انسان کا نقشہ پیش کرتی ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو قرآن کی دعوت ایمان و اخلاق کے بجائے اپنی خواہشات اور مفادات کے تحت زندگی گزارتے ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جو اپنے معتقدات، تعصّبات، نظریات اور خیالات کو اپنے رجحانات کے تحت قرآن سے باہر کھڑے ہو کر طے کر لیتے ہیں اور پھر اپنی گمراہیوں، ضلالتوں اور بدعتوں کے لیے قرآن مجید سے دلائل ڈھونڈتے پھرتے ہیں؟

ایسے سارے بے وفا لوگ سن لیں کہ روزِ قیامت ان کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کے حضور یہ مقدمہ پیش کریں گے کہ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً ۔ یہی وہ رویہ ہے جسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں، (البقرہ 101:2)۔

جہاں قرآن پر ایمان کے نام پر ایسے بے وفا لوگوں کی بھیڑ جمع ہو وہاں کس کے پاس وقت ہے کہ منکرین کے ہاتھوں قرآن کے جلائے جانے کے واقعے پر تبصرہ کرتا پھرے۔

بابری مسجد کا فیصلہ

ہندوستان کی سپریم کورٹ نے آخر کار یہ فیصلہ دے دیا کہ ایودھیا میں بابری مسجد کی زمین کو ہندوؤں کو دے دیا جائے تاکہ وہ وہاں پر اپنا رام مندر بناسکیں۔ ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہندوؤں کی مقدس شخصیت رام کی پیدائش ہوئی۔ یہاں ان کا ایک مندر موجود تھا جسے بابر کے حکم پر اس کے جنرل میر باقی نے گرا کر 1528 میں بابری مسجد بنادی تھی۔ اس مسجد کو انتہا پسند ہندوؤں نے 1992 میں توڑ ڈالا تھا جس کے بعد رونما ہونے والے فسادات میں 2000 سے زائد مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔

2010 میں الہ آباد ہائی کورٹ نے بھی ہندوؤں کے حق میں فیصلہ دیا تھا، مگر ساتھ میں مسلمانوں کو بھی ایک تہائی جگہ دی گئی تھی کہ وہ بھی یہاں اپنی مسجد بنالیں۔ جبکہ موجودہ فیصلے میں یہ جگہ مکمل طور پر ہندوؤں کو دیتے ہوئے مسلمانوں کو ایودھیا میں کسی اور جگہ مسجد بنانے کی جگہ دینے کا فیصلہ سنایا گیا ہے۔ ایودھیا میں رام کی پیدائش کی بات تو ایک خیالی بات ہے، مگر سپریم کورٹ نے مسلمانوں کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دے دیا کہ مسجد کی تعمیر مندر کو توڑ کر کی گئی تھی۔ اس کے فیصلے کے مطابق یہ مسجد کسی منہدم مندر کے باقیات پر تعمیر کی گئی تھی۔

یہ فیصلہ مسلمانوں کی توقعات کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک آثار قدیمہ کی جس رپورٹ پر فیصلہ سنایا گیا ہے وہ اگر صحیح مان بھی لی جائے تب بھی مبنی بر انصاف فیصلہ وہی ہوتا جو الہ آباد ہائی کورٹ کا تھا کہ دونوں فریقوں کو یہاں عبادت گاہ بنانے کا موقع دے دیا جاتا۔ مسلمانوں کے نزدیک اس فیصلے کے اثرات بہت دور تک خاص طور پر مسجد اقصیٰ تک جائیں گے جہاں ملتا جلتا مگر کہیں زیادہ سنگین قضیہ موجود ہے۔ امکان ہے کہ اس فیصلے سے یہودیوں کو شہہ ملے گی کہ وہ یروشلم میں بھی وہی کچھ کریں جو ایودھیا میں پیش آیا ہے۔

یہ صورتحال بظاہر بڑی مایوس کن ہے۔ پے در پے پیش آنے والے واقعات کا ایک تسلسل

ہے جس میں ہر واقعہ مسلمانوں کی بے بسی کو مکمل طور پر کھول دیتا ہے۔ مثلاً امریکہ کا اپنا سفارتخانہ یروشلم منتقل کرنا، کشمیر کے معاملے میں انتہا پسند بھارتی حکومت کا کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنا اور اہل پاکستان کی مکمل بے بسی اور اب بابری مسجد کا فیصلہ۔

تاہم اس مایوس کن صورتحال میں امید کی ایک روشن کرن پوری طرح موجود ہے جسے کسی صورت نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ پے در پے شکستیں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کی شکست کی علامت ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی دعوتی قوت کو دنیا میں کہیں پر کوئی بھی چیلنج درپیش نہیں ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو دعوت کے کاموں کے لیے دنیا کے حالات جتنے زیادہ سازگار آج ہیں، تاریخ میں کبھی اتنے زیادہ سازگار نہیں تھے۔

انڈین سپریم کورٹ کے اس فیصلے میں مسلمانوں کو مندر توڑنے کے الزام سے بری قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس فیصلے میں مسلمانوں کو ایودھیا میں مسجد بنانے کے لیے پانچ ایکڑ جگہ دینے کا حکم بھی ہے۔ یہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ مسلمانوں کے پاس تمام مذہبی اور دعوتی مواقع کھلے ہوئے ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایودھیا کی زمین مسلمانوں کو دے دی جاتی یا رام مندر کے ساتھ وہاں مسجد بنانے کی اجازت دے دی جاتی تو مسلمانوں کو مسلسل فسادات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے نتیجے میں دعوت کا کام کرنا ناممکن ہو جاتا۔

ہمارے نزدیک اگر مسلمان اپنی غلطیوں سے توبہ کرکے ایمان واخلاق اور دعوت دین کا راستہ اختیار کرنے کو تیار ہو جائیں تو انڈین سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ مشکل کے لبادے میں انھیں ملنے والی ایک عظیم آسانی ہے۔ یہ واقعہ قرآن کی اس آیت کا مصداق ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو۔ اب مسلمانوں اور خاص طور پر بھارتی مسلمانوں کو کرنا صرف یہ ہے کہ اس فیصلے میں پوشیدہ خدا کے خاموش پیغام کو سن لیں۔ انھیں ایک بڑے شر سے بچا کر اصل کام کی طرف بلایا گیا ہے۔ یہی دعوتی کام انھیں وہ سب عطا کرے گا جو آج وہ نہیں لے سکے۔

دین میں اضافہ

اسلام اللہ کا دین ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسانیت کو تا قیامت رہنمائی کے لیے دی گئی ہے۔اس ہدایت کا بنیادی مقصد یہ بتانا ہے کہ خدا کے حوالے سے کن چیزوں کو ماننا چاہیے اور خدا کی بندگی کا درست طریقہ کیا ہے۔

ان میں سے پہلی چیز کو ایمانیات کہتے ہیں اور دوسری کو عبادات کہا جاتا ہے۔ان دونوں کے متعلق سمجھنے کی اہم ترین بات یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں۔ایمان و عبادات میں اصول یہ ہے کہ جو نبی نے کہہ دیا وہ حرف آخر ہے۔ نبی کی بات پر یہ کہہ کر اضافہ نہیں کیا جاسکتا کہ چونکہ قرآن میں فلاں بات کی واضح تردید نہیں ہے، اس لیے اس عقیدے یا عبادت کی گنجائش ہے۔

مثلاً اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کا کوئی بھائی بھی ہے اور یہ ماننا اس لیے درست ہے کہ قرآن نے اس بات کی تردید نہیں کی تو یہ لغو بات ہوگی۔اسی طرح یہ بات سمجھنا بھی غلط ہے کہ چونکہ قرآن نے حضور کے بعد آنے والے کسی نئے نبی کی واضح تردید نہیں کی ہے، اس لیے نئے نبی کو مانا جاسکتا ہے۔اسی طرح عبادات میں مثال کے طور پر پانچ کے بعد کسی چھٹی نماز کا قائل ہونا بھی اسی نوعیت کی گمراہی ہے۔

قرآن مجید نے سورہ اعراف آیت 33 میں جہاں تمام حرمتوں کی اساسات کو بیان کیا ہے، وہاں اس جرم کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تم اللہ کی طرف وہ منسوب کرو جو تم نہیں جانتے۔آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کو اللہ نے شرک کے ساتھ بیان کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے شرک اور کفر جیسی چیز ہے۔جو شخص بھی ایسی کسی چیز کا مرتکب ہوتا ہے، وہ روزِ قیامت مشرکین کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

قرآن کا صرف یہی ایک مقام نہیں ہے جو اس جرم کی سنگینی کو بیان کرتا ہے بلکہ قرآن مجید نے دیگر مقامات پر براہ راست اس جرم کی سنگینی کے لیے ایسے اسالیب اختیار کیے ہیں جو کم ہی کسی اور گناہ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس باب میں سورہ انعام کا مطالعہ بہت ضروری ہے جس کا ایک اہم موضوع ہی مشرکین کی خودساختہ عقیدہ سازی اور شریعت سازی کے عمل کی تردید ہے۔

وہاں مثال کے طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑ کر منسوب کرے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے جبکہ اس پر کوئی وحی نہ آئی ہو، (93)۔ اس طرح کی دھوکا پر مبنی چیزوں کو القائے شیطان کہا گیا ہے، (112)۔ اسے ظن وگمان اور اٹکل و اندازوں کی وہ پیروی قرار دیا گیا ہے جو راہِ خدا سے بھٹکانے کا سبب بن جاتی ہے، (116)۔ اپنی ان بدعتوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کو اللہ نے حد سے بڑھنے والا قرار دیا ہے، (119)۔ خدا پر افترا کرنے والوں کو گمراہ اور ہدایت سے دور قرار دیا گیا ہے، (140)۔ بغیر علم کے خدا پر جھوٹ گھڑ کر منسوب کرنے والوں کو سب سے بڑا ظالم کہا گیا اور واضح کیا گیا کہ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا، (144)۔ مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ اگر انھیں اپنے اس جھوٹ پر اتنا اعتماد ہو کہ یہ اس کی سچائی پر گواہی دینے پر بھی تیار ہو جائیں، تب بھی ان کی باتوں میں مت آنا (150)۔

یہ صرف ایک سورت میں آنے والے چند تبصرے ہیں جو اس معاملے کی سنگینی کو بیان کرتے ہیں کہ دین میں کسی نئے عقیدے یا عمل کا اضافہ اپنی طرف سے کرنا اور اسے دین کے نام پر پیش کرنا کتنی بڑی گمراہی ہے اور اس کا وبال کتنا زیادہ ہے۔ اس سخت مذمت کی وجہ بھی بالکل واضح ہے کہ ایک دفعہ جب یہ خودساختہ دین سازی کا کام شروع ہو جاتا ہے تو ایک متوازی دین وجود میں آ جاتا ہے اور پھر اصل دین اور اس کے مطالبات بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس جرم کو سنگین ترین جرم سمجھ کر اس کے شائبے سے بھی ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔

احمدی جماعت اور مسلمان

کیا قرآن مجید کسی فرد یا گروہ کو قانونی طور پر مسلمان قرار دینے یا نہ دینے کے حوالے سے کوئی اصولی رہنمائی کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب سورہ توبہ کی آیت 11 کی روشنی میں اثبات میں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وہ اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔''

اس آیت میں یہ اصول دے دیا گیا ہے کہ جب کوئی فرد یا گروہ ایمانیات میں غیر مطلوب رویے سے باز آجائے اور اس کے عملی اظہار کے لیے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے پر تیار ہو تو اسے قانون اور ریاست کی سطح پر مسلمان تسلیم کرلیا جائے گا۔

اس اصول کی روشنی میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔قرآن مجید ایمانیات کو تفصیل سے واضح کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان چیزوں کو مان لینے پر نجات منحصر ہے۔ اس ایمانیات میں کسی آنے والے نبی مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے، اس لیے مرزا صاحب پر ایمان لانا قرآنی ایمانیات کے منافی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں جب تک احمدی جماعت کے افراد اس ایمان سے توبہ نہیں کرتے مسلم ریاست کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ انھیں مسلمان سمجھے بلکہ وہ انھیں قانون و ریاست کی سطح پر غیر مسلم قرار دے سکتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا احمدی جماعت کے افراد کو اس بنیاد پر کوئی رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ تاویل کی غلطی کا شکار ہوئے ہیں جس طرح مسلمانوں کے بعض دیگر فرقے تاویل کی غلطی کا شکار ہو کر سنگین گمراہیوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قادیانی حضرات کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ وہ ختم نبوت کی آیت کے فہم میں مسلمانوں سے مختلف جگہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک شخص کے دعویٰ نبوت کو مان

رہے ہیں۔ دعویٰ نبوت فہم دین کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں ہوتا۔اس کا مطلب خدا سے کلام کرنا، اس سے وحی پانا اوراس کا سفیر بن کر لوگوں میں کھڑے ہونا ہے۔اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی غلطی کا کیا سوال ہے؟ اس لیے یہ مسئلہ کسی تاویل یا توجیہ کی غلطی کا نہیں ہے کہ قادیانی حضرات کو اس بنیاد پر کوئی رعایت دے کرانھیں مسلمان تسلیم کرنا ضروری ہو۔

احمدی جماعت اور مرزا صاحب کا معاملہ اس پہلو سے مزید سنگین ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت صرف دعویٰ نہیں رہا بلکہ ایک دعوت میں بدل گیا۔اس دعوت کو لے کر وہ لوگوں تک گئے۔لوگ ان پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح انبیا پر ایمان لایا جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں ایک گروہ احمدی جماعت کی شکل میں وجود میں آیا۔اس احمدی جماعت کے نزدیک جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتے وہ ایک نبی کے انکار کی بنا پر کافر ہیں۔

چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ احمدی جماعت کا معاملہ مسلمانوں کے دیگر فرقوں جیسا نہیں ہے جو ایک دوسرے پر کفر وشرک کے الزام لگاتے ہیں۔وہ سب کے سب نصوص کے فہم پر کھڑے ہیں یا بہت ہوا تو اپنے گمراہ کن خیالات کا علانیہ اظہار کر دیتے ہیں۔ان میں سے کوئی نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں میں اپنی نبوت کی تعلیم پیش کرتا ہے، نہ اس بنیاد پر ان کے کفر و ایمان کے فیصلے کرتا ہے۔

چنانچہ اوپر نقل کردہ سورہ توبہ کی آیت گیارہ کی رو سے جب تک جماعت احمدیہ کے افراد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت کا دعویٰ تسلیم کرنے سے توبہ نہیں کرتے، ان کو مسلمان سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ اس عقیدے سے توبہ کرلیں تو پھر وہ دین میں باقی مسلمانوں کے بھائی ہوں گے۔ وہ ایسا نہیں کرتے تب بھی وہ انسانی رشتے سے ہمارے بھائی اور ہمارے مدعو ہیں۔ہمیں محبت اور نرمی سے ان کی غلطی واضح کرنی چاہیے۔ان سے نفرت کرنا، ان کو ایذا دینا کسی طور پر بھی اسلامی تعلیم نہیں۔یہی ہمارے نزدیک اس معاملے میں درست راستہ ہے۔

احمدی جماعت اور تاویل کی غلطی

احمدی جماعت کے حوالے سے میری سابقہ تحریر پر کچھ سوالات بعض دوستوں نے اٹھائے ہیں۔ میرے درس قرآن کے بعد بھی بہت سے قریبی احباب نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا کہ میں احمدی حضرات کے غیر مسلم ہونے کے جواز کا کیوں قائل ہوں۔ سوشل میڈیا پر بھی بہت سے احباب نے سوالات کیے ہیں۔ ان سب کو میں زبانی جواب دیتا رہا ہوں، لیکن محسوس ہوتا ہے کہ ایک مختصر تحریر میں اپنے استدلال کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

میرا بنیادی استدلال یہ ہے کہ احمدی حضرات مرزا صاحب پر بحیثیت نبی اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ انھیں قرآن سے اس کا کوئی ثبوت مل گیا ہے یا قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہوئے کوئی غلط فہمی لاحق ہوئی ہے بلکہ ان کا مقدمہ بالکل سادہ ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی، انھیں منصب نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کیا گیا اور اس لیے وہ نبی ہیں۔

اس بات پر ایمان لانے کے لیے انھیں قرآن کی کسی آیت کی ضرورت نہیں، نہ وہ یہ کام کرتے ہیں۔ وہ اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو مرزا صاحب پر نازل ہوئی ہے۔ قرآن کو وہ صرف اس وقت زیر بحث لاتے ہیں جب کوئی مسلمان ان سے الجھتا اور قرآن کو ان کے سامنے پیش کر کے ان کی تردید کرتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ قرآن کی آیات کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔ یا یہ کہ جب وہ کسی مسلمان کو اپنی دعوت دینا چاہتے ہیں تو پھر ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔ کسی احمدی کو مرزا صاحب پر ایمان لانے کے لیے قرآن کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس بات کو ایک سادہ مثال سے سمجھیں۔ ایک احمدی جب کسی ہندو کو مرزا صاحب کی نبوت کی دعوت دے گا تو کیا وہ انھیں قرآن پیش کرے گا؟ وہ یہ کبھی نہیں کرے گا، نہ کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن تو حضور کے بعد کسی نبی کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ وہ قرآن پیش کرے گا تو

قرآن اس کا مقدمہ اور خراب کردے گا۔ چنانچہ وہ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے انھی کا کلام، ان کے دلائل اور ان کے معجزات جو ان کے ہاں موجود ہیں، پیش کرے گا۔ اس مثال سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کی بنیاد پر غلطی لگنے کی بات کتنی کمزور ہے۔

یہ مثال مرزا صاحب اور احمدی حضرات کے اس تھاٹ پروسیس کو بھی بالکل واضح کردیتی ہے جسے ہمارے دوست سمجھنا نہیں چاہتے۔ یہ تھاٹ پروسیس فہم قرآن سے شروع نہیں ہوتا۔ نہ اس دعویٰ نبوت اور ایمانِ نبوت میں قرآن کا کوئی کردار ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کسی بھی آنے والے نبی کے بارے میں کسی بھی طرح کے اثباتی بیان سے بالکل خالی ہے۔اس حقیقت کے بعد کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے شخص کے پاس یہی راستہ ہے کہ وہ خود پر وحی نازل ہونے کا دعویدار ہو جس میں اسے نبی قرار دیا گیا ہے۔اور جب وہ اپنی وحی کی بنیاد پر دعویٰ نبوت کرتا ہے تو پھر قرآن کی بنیاد پر کسی غلط فہمی یا توجیہ یا تاویل کی غلطی کا کیا سوال باقی رہ جاتا ہے؟

اس کے بعد قرآن کی توجیہ و تاویل کے مسئلے کو بھی دیکھ لیں۔ احمدی حضرات اپنی جو تاویلات پیش کرتے ہیں وہ کتنی بودی اور کمزور ہیں اور قرآن انھیں کس طرح اٹھا کر پھینکتا ہے، اسے سرِ دست ایک کونے میں رکھتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ وہ تاویلات کیا ہیں۔ وہ تاویلات یہ ہیں کہ وحی و نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا یا بہت ہوا تو وہ کھینچ تان کر قرآن سے یہ بات اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک نبی نے اور آنا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا غلام احمد قادیانی نامی کسی شخص کی نبوت کو بھی کھینچ تان کر قرآن سے نکالا جاسکتا ہے؟ کوئی آدمی ہوش و حواس میں رہتے ہوئے یہ کام نہیں کرسکتا۔ نہ احمدی حضرات یہ کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے وہ ان کا کلام اور ان کے معجزات ہی کو پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو گمراہی تاویل وتوجیہ کی بنیاد پر قرآن سے مستنبط کی جاسکتی ہے وہ نبوت، وحی والہام کا تسلسل ہے۔ یہ دعوے صوفیا میں سے بھی بعض لوگوں نے کیے ہیں۔ ان صوفیا کے لیے تاویل کی رعایت کی بات کرنا قابل فہم ہے۔ مگر کسی شخص کا اپنی ذات کے لیے نبوت کا دعویٰ کر کے کارِ نبوت کا آغاز کرنے کے عمل کا قرآن کی توجیہ وتاویل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے یہی کام کیا ہے۔ وہ اپنے تئیں خود پر ہونے والی وحی کی بنیاد پر نبوت کا دعویٰ کر کے اٹھے تھے، نہ کہ قرآن سے اپنی نبوت کا اثبات کر کے۔ اس لیے یہ طالب علم اس بات کی کوئی گنجائش نہیں پاتا کہ ان کے دعویٰ نبوت کو تاویل و توجیہ کی غلطی سمجھا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن مردوں اور عورتوں پر وقتاً فوقتاً آزمائش آتی رہتی ہیں۔ کبھی خود اس پر مصیبت آتی ہے، کبھی اس کا لڑکا مر جاتا ہے، کبھی اس کا مال تباہ ہو جاتا ہے (اور وہ ان تمام مصیبتوں میں صبر اختیار کر لیتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اس حال میں ملتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدن کا خشوع اور دل کا نفاق۔ (مسند احمد)

ابو یحییٰ

احمدی حضرات اور مسلمان: حرف آخر

کچھ ابتدائی گزارشات

احمدی حضرات کے حوالے سے حالیہ دنوں میں اٹھنے والی بحث کے تناظر میں میرا یہ تیسرا اور آخری آرٹیکل ہے۔اس میں نہ صرف پچھلے دونوں آرٹیکلز کا خلاصہ آ جائے گا بلکہ میرا پورا استدلال بھی قارئین مکمل تفصیل کے ساتھ جان سکیں گے۔تاہم قبل اِس کے کہ میں اصل مدعا کی طرف آؤں چند گزارشات پیش کرنا ضروری ہیں۔

پہلی گزارش اُن قارئین کی خدمت میں ہے جو احمدی حضرات کے حوالے سے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جب بھی ان کا ذکر کیا جائے تو تہذیب اور شائستگی کو کونے میں رکھ دینا ایک لازمی دینی ذمہ داری ہے۔میں ایسے لوگوں سے صرف یہی عرض کروں گا کہ میں جس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیرو ہوں، اس کریم ہستی نے مجھے تہذیب اور شائستگی کا درس دیا ہے۔مزید یہ کہ میں ایک داعی ہوں اور احمدی حضرات میرے مدعو ہیں۔یعنی بداخلاقی اور بدتمیزی کا رویہ جس طرح ہماری دینی تعلیمات کے خلاف ہے، اِسی طرح احمدی حضرات کو حق کی دعوت پہنچانے کی راہ میں بھی یہ لازماً رکاوٹ بنتا ہے۔اِس کے نتیجے میں اپنی بات مَیں اُن تک پہنچانے کا موقع کھو دوں گا۔اس لیے جو لوگ بدتمیزی کو دین سمجھتے ہیں، میں ان سے معذرت چاہتا ہوں کہ میں اُن کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکتا۔

دوسری گزارش احمدی حضرات کے پیشِ خدمت ہے۔وہ یہ کہ میں اُن کا مسئلہ سمجھتا ہوں کہ وہ اگر کسی کو نبی مانتے ہیں تو پھر اُن کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اُس نبی کے، میرے جیسے تمام منکرین کو

کافر قرار دیں۔ یہ کرنا اُن کی دینی مجبوری ہے کہ خود قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ کے کسی نبی کا انکار کیا، وہ پکا کافر اور جہنمی ہے(النسا4:151-150)۔ میری یہ درخواست ہے کہ تمام احمدی حضرات روزِ قیامت میرے خلاف یہ گواہی دیں کہ میں نے مرزا صاحب کو نبی نہیں مانا، تا کہ میں اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید سے اُن کے اپنے الفاظ پڑھ کر سناؤں اور عرض کروں کہ آپ نے اپنی کتاب میں کسی نئے نبی کو ماننے بغیر محمد رسول اللہ اور اُن سے پچھلے نبیوں پر ایمان ہی پر جنت کی گارنٹی دے رکھی تھی۔ اُس وقت اللہ کا فیصلہ، بالبداہت واضح ہے کہ اپنی کتاب ہی کے مطابق ہوگا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، وہ ایسے ہر مسلمان کو جنت میں بھیجیں گے جو مذکورہ بالا قرآنی معیار پر پورا اترے گا۔ مگر اِس کے بعد یہ احمدی حضرات کا کام ہوگا کہ وہ میدان حشر میں کھڑے ہوکر اس سوال کا جواب تلاش کریں کہ سورہ نساء کی وعید کے باوجود یہ لوگ ان کے نبی کا انکار کر کے جنت میں کیسے چلے گئے؟ اِس میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

تیسری گزارش اِس پس منظر میں ہے کہ میں عام طور پر علمی مباحث سے دور رہتا ہوں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر علمی مباحث اصولی نوعیت کے نہیں ہوتے اور اُن میں اختلاف رائے کی گنجائش ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، مگر بحث و مباحثہ کے نتیجے میں اکثر کسی فریق کی دل شکنی کی نوبت آجاتی ہے جس کے اخلاقی نتائج برے ہوتے ہیں۔ تاہم اِس کے باوجود میں اِس بحث میں اترا ہوں تو اِس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ اصولی سوال ہے کہ کیا اسلام مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ قانون و ریاست کی سطح پر وہ کسی ایسے شخص کو غیر مسلم قرار دیں جو خود کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہو۔ میرے نزدیک قرآن مجید کی روشنی میں اِس سوال کا جواب ہاں میں ہے۔ اُس نے دنیا و آخرت دونوں کے پہلو سے واضح کیا ہے کہ ایک مسلمان کون ہوتا ہے اور کون نہیں۔ خاص طور پر

زیر بحث مسئلے میں جہاں قانون و ریاست کی سطح پر کسی فرد یا گروہ کو مسلمان یا غیر مسلم قرار دیے جانے کا معاملہ زیر بحث ہے، قرآن مجید نے وہ متعین شرائط بیان کی ہیں جن کو پورا کرنے والے کسی شخص ہی کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ وہ شرائط اگر پوری نہیں کی جائیں گی تو پھر ریاست اِس بات کی پابند نہیں ہے کہ ایسے کسی شخص کے دعوائے اسلام کو لازماً قبول کرے۔ چونکہ بالعموم اِس مسئلے میں مسلمانوں میں ابہام پایا جاتا ہے، اِس لیے قرآن کا موقف سامنے لانے کی ضرورت نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔

اِس بحث میں دخل اندازی کی دوسری وجہ یہ بنی کہ بعض احباب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوائے نبوت اور احمدی حضرات کے اُن کو نبی ماننے کے عقیدے کو محض تاویل کی غلطی سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ اپروچ خود قرآن مجید پر سوالات اٹھا دیتی ہے کہ خدا اپنی آخری کتاب میں ایمانیات کو بیان کرنے کے معاملے میں اتنا غیر واضح ہے کہ لوگ بنیادی ایمانیات میں بھی تاویل کی غلطی میں پڑ جائیں۔ لَا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ کا دعویٰ اتنا ہی بودا ہے کہ کوئی بھی شخص معصومیت کے ساتھ کسی غلطی کا شکار ہو جائے۔ میرے نزدیک ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ہماری پچھلی بات کا خلاصہ

یہ وہ پس منظر ہے جس میں یہ طالب علم اِس بحث میں اترا ہے۔ اِن ابتدائی گزارشات کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ گفتگو کے آغاز میں ہم احمدی حضرات کے حوالے سے لکھے گئے پچھلے دو آرٹیکلز کا خلاصہ کریں گے اور پھر وہیں سے بات کو آگے بڑھائیں گے۔

ہماری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون و ریاست کی سطح پر ایک فرد کن شرائط کو پورا کرنے کے بعد مسلمان شہری کہلانے کا مستحق ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے قرآن نے موضوع بحث نہ بنایا ہو۔ قرآن مجید نے سورہ توبہ میں اِس حوالے سے اپنا نقطہ نظر بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ سورہ توبہ

کی آیت (11) میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ جب کوئی فرد ایمانیات کے باب میں اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ معیارات کی خلاف ورزی سے باز آ جائے اور اعمال میں نماز اور زکوۃ کے فرائض کو ادا کردے تو وہ دینی طور پر باقی مسلمانوں کا بھائی تصور کیا جائے گا اور قانون وریاست کی سطح پر اُسے وہ سارے حقوق دیے جائیں گے جو باقی مسلمانوں کے ہیں۔ اِس میں ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کی شناخت کا حق اوّلین طور پر شامل ہے۔

پھر ہم نے یہ واضح کیا تھا کہ احمدی حضرات ایمانیات کے معاملے میں نبوت پر ایمان کے اُس معیار پر پورے نہیں اترتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ جب تک وہ اِس خلاف ورزی سے باز نہیں آتے، ریاست پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اُنھیں مسلمان تسلیم کرے، چنانچہ وہ اُنھیں غیر مسلم قرار دے سکتی ہے۔ کوئی مسلمان ریاست ایسا کرتی ہے تو یہ ایک ریاستی اور قانونی حکم ہے، تاکہ معاشرے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی شناخت اور تعارف واضح رہے۔ ریاست کے اِس فیصلے کا لوگوں کے اخروی انجام کو طے کرنے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِس پر بعض سوالات اٹھائے گئے ہیں، مگر ہم اُن سوالات کو بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے ہم ایک دوسرے مسئلے کو زیر بحث لائیں گے۔

وہ یہ کہ احمدی حضرات مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر بحیثیت نبی جو ایمان رکھتے ہیں، اُن کا یہ ایمان کیا کسی آیت کی غلط تاویل کا نتیجہ ہے جس کی رعایت اُنھیں دی جا سکتی ہے؟ ہمارا جواب اِس حوالے سے یہ ہے کہ مرزا صاحب کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ وہ محض نبوت کے تسلسل کے قائل ہیں اور اِس پس منظر میں ختم نبوت کی آیت کی تاویل و توجیہ کر کے نبوت جاری رہنے کا ایک عمومی نقطۂ نظر پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ اُن کا معاملہ اِس سے ایک قدم آگے کا ہے۔ وہ اپنے لیے دعوائے نبوت کر رہے ہیں۔ اِس دعوائے نبوت کے لیے وہ قرآن سے کوئی دلیل نہیں لاتے، بلکہ اِس کا

ماخذ سرتاسر تر اُن پر اپنے تئیں اترنے والی وحی ہے۔

دعوائے نبوت کا اصل ماخذ

ہماری یہ وہ بات ہے جس کی وضاحت ابھی تک نہیں ہوسکی ہے، اِس لیے بعض ذہنوں میں اِس حوالے سے اشکالات پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ ضروری ہوگیا ہے کہ اب ہم یہ بتائیں کہ ہم نے یہ رائے کہاں سے قائم کی ہے۔ ہماری اِس رائے کا ماخذ مرزا صاحب کی فکر اور ان کی تصانیف ہیں۔ مرزا صاحب نے بہت زیادہ لکھا ہے اور ہماری رائے کے حق میں یوں تو اُن کی تصانیف کے کئی مقامات کے حوالے دیے جاسکتے ہیں، مگر ایک مقام ایسا ہے جہاں مرزا صاحب نے ایک سوال کے جواب میں ایک مسلمان سے ایک نبی بننے تک کے اپنے سفر کی پوری روداد خود بیان کردی ہے۔ یہ ایک مکمل بات ہے، جسے ہم نے اِس کے سیاق وسباق سے کاٹے بغیر من وعن نقل کیا ہے۔ یہ اقتباس خود وہ زاویہ بالکل کھول کر رکھ دے گا، جس سے مرزا صاحب اپنی حیثیت کو دیکھ رہے ہیں اور دوسروں کے سامنے اُسے بیان کررہے ہیں۔ اِس کے ساتھ اُن کی اِس حیثیت کو نہ ماننے کے جو نتائج نکلتے ہیں، وہ اس اقتباس میں اُنھیں خود ہی بیان بھی کردیتے ہیں۔ اِس اقتباس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجائے گی کہ مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ونبوت کے کسی عمومی تسلسل کی بات نہیں کررہے، بلکہ اپنی نبوت کا مستقل بالذات دعویٰ کررہے ہیں۔

مرزا صاحب کے اپنے اِس بیان سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہوجائے گی کہ وہ قرآن و حدیث کی کسی توجیہ وتاویل کے عمل سے گزر کر اِن نتائج فکر تک نہیں پہنچے۔ بلکہ یہ اپنے زعم کے مطابق اُن پر بارش کی طرح اترنے والی وحی تھی، جس نے اُنھیں یقین دلادیا کہ وہ اِس امت کے ایک ایسے مسیح ہیں، جو ایک نبی بھی ہے۔ یہ نبی گرچہ خود کو نبی امتی کہتا ہے، مگر چونکہ نبی ہے،

اِس لیے اِس کا انکار کرنے والے دائرہ اسلام سے نکل کر مرتد ہو جاتے ہیں۔

ذیل میں ہم مرزا صاحب کی اپنی عبارت (بحوالہ روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ جلد۔ حقیقۃُ الوَحی صفحہ 152 تا 154) کو نقل کر رہے ہیں۔ ہم سلسلہ کلام کو درمیان میں روک کر بعض اہم پہلوؤں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کراتے جائیں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اب ہم اُن چند وساوس کا جواب دیتے ہیں جن کا جواب بعض حق کے طالبوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے اور اکثر اِن میں وہ وساوس ہیں کہ جو عبدالحکیم خان اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے تحریراً یا تقریراً لوگوں کے دلوں میں ڈالے اور اپنے مرتد ہونے پر ایسی مُہر لگا دی کہ اب غالباً اُس کا خاتمہ اِسی پر ہوگا۔ میں نے اِن چند وساوس کا جواب منشی برہان الحق صاحب شاہجہانپور کے اصرار سے لکھا ہے جو اُنھوں نے نہایت انکسار سے اپنے خط میں ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ میں ذیل میں منشی برہان الحق کے خط کی اصل عبارت ہر ایک سوال میں لکھ کر اُس کا جواب دیتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔''

گفتگو کے آغاز ہی میں مرزا صاحب نے وہ مسئلہ واضح کر دیا ہے جو اُن کے دعوائے نبوت سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک نبی جب آ جاتا ہے تو وہ اپنی قوم کے لیے کفر و ایمان کا مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔ ایک شخص جس نے اُن کی نبوت پر سوالات اٹھائے، اُنھوں نے اُس کو مرتد قرار دے کر یہ بتا دیا کہ اُن پر ایمان کا دائرہ ہی دائرۂ ایمان ہے اور اِس دائرے سے نکلنے کا مطلب ارتداد ہے۔ یہ کسی صوفی کے حلقہ ارادت سے نکل جانے کا معاملہ نہیں ہے، جو محض کسی وحی کے نزول کا دعویدار ہو۔ یہ دعویٰ ایک نبی کا دعویٰ ہے اور یہ کلام ایک نبی کا کلام ہے، جو دوسروں کے کفر و ایمان کے فیصلے کر رہا ہے۔

ہمارے نزدیک مرزا صاحب کے دعوے کی یہی وہ نوعیت ہے جس نے اُنھیں اُن صوفیا سے مختلف بنا دیا ہے جو مختلف دعوے کرتے ہیں۔ وہ لوگ دعوے تو کرتے ہیں، مگر دوسروں کے فیصلے

نہیں کرتے۔ لیکن مرزا صاحب اپنی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کے ایمان کا فیصلہ بھی کردیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اُن کے اپنی دانست میں نبی ہونے کا تقاضا ہے۔ نبی کا انکار کفر ہے، اِس لیے اُن کے اس دعوے کے ساتھ ہی معاشرے میں کفر و ایمان کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ اِس مسئلے کے ظہور کے بعد معاشرے کو یہ جواز مل گیا کہ وہ مرزا صاحب اور اُن کے پیروؤں کے بارے میں ایک سخت موقف اختیار کرے۔ دوسری طرف قرآن مجید بھی مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ کسی فرد یا گروہ کے بارے میں کچھ شرائط کے پورا ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر ان کی قانونی حیثیت طے کریں۔ چنانچہ کوئی ریاست یہ قدم اٹھالیتی ہے تو یہ اُس کا حق ہے جو اس نے استعمال کرلیا۔ اِس میں دینی و شرعی لحاظ سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ چنانچہ اِسے قطعاً نہ اخلاقی طور پر غلط سمجھا جاسکتا ہے، نہ مذہبی طور پر۔ تاہم جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ اِس پر احباب کے بعض اشکالات ہیں، جن کا جواب ہم بعد میں دیں گے۔

اس کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ''یاد رہے کہ اِس بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے اِن باتوں سے نہ کوئی خوشی ہے، نہ کچھ غرض کہ میں مسیح موعود کہلاؤں یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں۔ خدا نے میرے ضمیر کی اپنی اِس پاک وحی میں آپ ہی خبر دی ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے : قُلْ اُجَرِّدُ نفسی من ضروب الخطاب۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں کسی خطاب کو اپنے لئے نہیں چاہتا، یعنی میرا مقصد اور میری مُراد اِن خیالات سے برتر ہے اور کوئی خطاب دینا یہ خدا کا فعل ہے۔ میرا اس میں دخل نہیں ہے۔''

دیکھ لیجیے کہ یہاں صراحت کے ساتھ وہ خود پر وحی اترنے کا دعویٰ بھی کررہے ہیں اور اُس وحی کو نقل بھی کررہے ہیں جو اُن پر اتری ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''رہی یہ بات کہ ایسا کیوں لکھا گیا ہے اور کلام میں یہ تناقض کیوں پیدا ہوگیا۔ سو اِس بات کو توجہ کرکے سمجھ لو کہ یہ اِسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے براہین احمدیہ میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن

مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اِس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اِس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ اِس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا، بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اُسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔"

اس پیراگراف سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب پہلے دن ہی سے وحی پر کھڑے تھے، مگر چونکہ مسلم روایت کے پس منظر میں اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ احادیث میں جس مسیح کا ذکر ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں جو آسمانوں پر زندہ موجود ہیں اور وہیں سے نازل ہوں گے، اِس لیے اُنھیں اِس میں تامل تھا کہ خود کو اِن روایات کا مصداق سمجھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اِس وحی کے باوجود جو اُنھیں اپنے مسیح ہونے کا یقین دلا رہی تھی، مسیح سے متعلق احادیث کی تاویل و توجیہ نہیں کی، بلکہ وہ اپنے اوپر ہونے والی وحی کی تاویل کرتے رہے۔ جی ہاں، تاویل وہ اُس وحی کی کر رہے ہیں جو اُن کی دانست میں اُن پر ہو رہی تھی نہ کہ قرآن و حدیث کی۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد مرزا صاحب اب واضح کرتے ہیں کہ یہ بارش کی طرح اُن پر نازل ہونے والی وحی ہی تھی جس نے اُنھیں مجبور کیا کہ وہ اپنے پیدائشی اعتقاد کو چھوڑیں اور وہ دعوے کریں جو انھوں نے بعد میں کیے۔ وہ لکھتے ہیں:

"لیکن بعد اِس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا، تُو ہی ہے اور ساتھ اِس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اِس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں، ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔"

غور کیجیے کہ مرزا صاحب تو کوئی تاویل و توجیہ کرنے پر آمادہ نہ تھے، مگر بارش کی طرح اترنے والی وحی، صدہا نشانات اور زمین و آسمان کی طرف سے تصدیق نے اُن کو مجبور کر دیا کہ وہ خود کو مسیح قرار دیں۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہو گیا کہ پھر اُن احادیث کا کیا کیا جائے جو مسیح ابن مریم کی بات کر رہی ہیں؟ ان سے کیسے نمٹا جائے؟ چنانچہ اب وہ اِس مسئلے کا حل قرآن کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور پھر میں نے اِس پر کفایت نہ کر کے اِس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اِسی اُمّت میں سے آئے گا۔ اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی، اِسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اِس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔''

یہاں وہ سورہ آل عمران کی آیت ''اِنــی متــوفیك'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھا رہے ہیں کہ آیت کے مطابق مسیح ابن مریم کی تو وفات ہو چکی ہے۔ چنانچہ جس آنے والے کی خبر احادیث میں ہے، وہ مسیح ابن مریم تو ہو نہیں سکتے۔ چنانچہ انھیں مسیح ہونے کی جو خبر دی جا رہی ہے، اِس میں نزول مسیح کی روایات کسی طور پر حارج نہیں ہو سکتیں۔ بعد میں مسیح ابن مریم سے متعلق اِن روایات کو مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کی تصدیق میں پیش کر دیا۔ چنانچہ مرزا صاحب کا یہ ٹھاٹ پروسیس واضح رہنا چاہیے کہ وہ قرآن وحدیث پر غور کرتے کرتے کوئی دعوی نہیں کر بیٹھے۔ بلکہ قرآن وحدیث اصلاً اُن کے شخصی دعووں کی راہ میں حائل تھے۔ یہ اُن پر اترنے والی وحی، اُنھیں ملنے والی صدہا نشانیاں اور آسمانی شہادتیں ہی ہیں، جو اُنھیں اِس مقام تک لائی ہیں۔ توجیہ وتاویل اگر کچھ ہوئی تو یہ بعد کا معاملہ ہے۔

ابھی تک اُن کے اِس سفر میں وہ مسیح ہی بنے تھے۔ بات مسیح تک رہتی تو بہت غنیمت تھی۔ مگر اب وہ حریم نبوت میں نقب لگانے کی تیاری کرتے ہیں۔ تاہم اِس کی ذمہ داری بھی خود لینے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ اِس کا الزام بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ڈالتے ہیں:

''میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ مجھے اِس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ میں پوشیدگی کے حُجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اُس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں، مگر اُس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزّت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اُس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ میرا اِس میں کیا قصور ہے۔''

اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کے بعد وہ بارش کی طرح نازل ہونے والی وحی کی روشنی میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اُن کو صریح طور پر نبی کا خطاب مل چکا ہے۔

''اِسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے، وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اُس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی، اُس نے مجھے اِس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔''

یہاں خیال رہے کہ وہ مسیح ابن مریم اور ان کی نبوت کا حوالہ دے رہے ہیں، مگر اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قرآن سے وہ یہ اخذ کر چکے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تو فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ یہ مسیح، ایک نیا مسیح ہے اور یہ نبی ایک نیا نبی ہے۔ اپنی ذات کے حق میں اِس دعوائے مسیحیت اور دعوائے نبوت کا ماخذ سرتا سر اُن پر بارش کی طرح اترنے والی وحی ہے۔ وہ قرآن وحدیث سے ایسی کسی غلط فہمی میں نہیں پڑے۔

ہم نے مرزا صاحب کی بات کو بیچ میں روکا تھا، کیونکہ وہ اگلے جملے میں اعلان نبوت کی اِس سنگینی کو کچھ کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس پر الگ سے تبصرہ درکار تھا۔ چنانچہ ہم اُن کی

بات وہیں سے نقل کر رہے ہیں، جہاں اوپر چھوڑی تھی:

''اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا، مگر اِس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی۔ اور جیسا کہ میں نے نمونہ کے طور پر بعض عبارتیں خدا تعالیٰ کی وحی کی اِس رسالہ میں بھی لکھی ہیں، اُن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم کے مقابل پر خدا تعالیٰ میری نسبت کیا فرماتا ہے۔''

وہ خودکو نبی کہنے کے ساتھ امتی یا امتی نبی بھی کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی بعض دیگر تعبیرات اختیار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو کمتر بیان کر کے اپنے دعوے کی سنگینی کو کچھ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اُن کے اقتباس کے آغاز میں اُن کے ایک شخص کو مرتد قرار دینے کے پس منظر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبوت تو نبوت ہوتی ہے۔ اِس کا انکار کفر ہی ہوگا اور اِس کو مان کر چھوڑ دینا ارتداد کہلائے گا۔ مرزا صاحب بھی اپنی اِس نبوت کو ایسے ہی دیکھتے ہیں۔ وہ اپنی اِس وحی کو ایمانیات کا ایسا ہی حصہ سمجھتے ہیں جیسے پچھلے انبیا پر اترنے والی وحی کو۔ چنانچہ وہ آگے لکھتے ہیں:

''میں خدا تعالیٰ کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر ردّ کر سکتا ہوں۔ میں اُس کی اِس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ اُن تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔''

اپنی وحی کو ایمانیات میں شامل کرنے کے اُن کے اِس دعوے کے ساتھ ہم اِس اقتباس کو ختم کرتے ہیں۔ اِس اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب اوّل تا آخر اپنے اوپر اترنے والی وحی کی روشنی میں کھڑے ہیں۔ نہ اُنھیں قرآن کی کسی آیت سے یہ تائید ملی ہے کہ وہ خدا کے نبی ہیں، نہ نزول مسیح کی روایات سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ مسیح ہیں۔ یہ اُن پر اترنے والی وحی ہے جس نے اُنھیں اپنے اِن مناصب کو ماننے پر مجبور کر دیا، ورنہ وہ تو اعتقاداً عام

مسلمانوں کی جگہ پر کھڑے تھے۔ اِس کے بعد اگر اُنھوں نے کچھ کیا ہے تو یہ کیا کہ قرآن وحدیث میں جو کچھ چیزیں اُن کی راہ میں رکاوٹ تھیں، اُن کی تاویل وتوجیہ کی۔ چنانچہ یہ بات کہ مرزا صاحب کو قرآن کی کسی آیت سے اپنے نبی ہونے کی غلط فہمی ہوئی یا نزول مسیح کی احادیث اُنھیں اِس جگہ تک لے جانے کا باعث بنی ہیں، اِس رائے کو خود مرزا صاحب قبول نہیں کرتے۔

سورہ توبہ کی آیت اور احمدی حضرات

اب ہم اِس اشکال کا جواب دیں گے کہ سورہ توبہ کی آیت (11) کا اطلاق احمدیوں پر کیسے ہوتا ہے؟

سورہ توبہ کی آیت (11) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وہ اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِس دین میں وہ تمھارے بھائی ہیں۔

یہ آیت کفار عرب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُن کو فیصلہ کن سزا سنانے کے ضمن میں نازل ہوئی، جس میں کفار کے لیے موت کا فیصلہ سنا دیا گیا، سوائے اِس کے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ ایسے میں یہ ضروری تھا کہ اُن شرائط کو واضح کیا جائے جو قانونی سطح پر کسی شخص کے اسلام کے اظہار کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ اِس آیت میں عملی طور پر نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور عقیدے کی سطح پر اپنے کفر سے باز آکر اسلام کے ایمانیات کو بعینہٖ اختیار کرلینے کو بطور شرائط کے بیان کردیا گیا ہے۔ اِن شرائط کو پورا کرنا بعد کے زمانوں میں بھی کسی فرد یا گروہ کے قانونی سطح پر اسلام پر ہونے کے لیے معیار ہیں۔ احمدی حضرات اِن میں سے پہلی شرط پر بالبداہت پورے نہیں اترتے، یعنی اُنھوں نے نبیوں پر ایمان کے قرآنی ضابطے کو قبول کرنے کے بجائے اِس بات کو قبول کرلیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا صاحب پر بھی اللہ کی طرف وحی اتری ہے اور وہ ایک نبی ہیں۔ اُنھوں نے یہ بات نہ قرآن سے

اخذ کی ہے اور نہ کی جاسکتی ہے۔ اُن کے اِس عقیدے کا ماخذ وہ وحی ہے جو اُن کے نزدیک مرزا صاحب پر نازل ہوئی ہے۔

قرآن مجید نے اِس کے بالکل برعکس اور ایک سے زیادہ طریقوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر طرح کی وحی اور نبوت کی تردید کی ہے۔ اِس باب میں سب سے واضح بیان قرآن مجید کے آغاز ہی میں سورہ بقرہ کی آیت 4 میں دیکھا جاسکتا ہے، جو اِس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ آپ کے بعد وحی و نبوت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ وحی اور نبوت پر ایمان کے معاملے میں دو ہی رویے مطلوب ہیں۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لا کر اُنھیں نبی مانا جائے اور دوسرے آپ سے پہلے انبیائے کرام پر جو وحی نازل ہوئی ہے، اُس پر ایمان لایا جائے۔ نبوت کے باب میں یہی ایمان مطلوب ہے۔ چنانچہ اِس آیت نے حضور کے بعد کسی نئی نبوت کے راستے میں دہری رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف یہ حضور اور پچھلے نبیوں پر ایمان کو نجات کے لیے کافی قرار دے رہی ہے اور بعد میں آنے والے کسی نبی پر ایمان کے بغیر جنت کی فلاح کی یقین دہانی کرا رہی ہے اور دوسری طرف یہ بھی بتا رہی ہے کہ نبیوں پر ایمان کے باب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی پر ایمان کا کوئی تصور قرآن میں نہیں ہے۔ جس کے بعد اِس باب میں خارج کی کوئی وحی، کسی فرد کا کوئی دعویٰ، قرآن و حدیث کی کوئی توجیہ، کوئی تاویل، کوئی فہم؛ قرآن مجید کے اِس صریح بیان کے مقابلے میں نا قابل قبول ہے۔

ایمانیات میں اضافہ کفر ہے

یہ ایمانیات کا معاملہ ہے جس میں کسی استنباط، تاویل اور توجیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایمانیات میں اضافے کے لیے جو واحد چیز قابل قبول ہوسکتی تھی، وہ کسی دوسرے مقام پر

خود قرآن مجید ہی کا اپنا کوئی صریح بیان ہوسکتا تھا، جو یہ بتاتا کہ آپ کے بعد کسی وحی یا نبی کو ماننا ایمانیات کا ایک جزو ہے یا آپ کے بعد کسی وحی یا نبی پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی لازمی شرط ہے۔ قرآن مجید ایسے کسی صریح اور واضح بیان سے قطعاً خالی ہے۔ بلکہ اِس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمانیات میں تاویل و توجیہ پر مبنی ایسے اضافوں کو کفر قرار دیا ہے۔

اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ ایمانیات کے باب میں یہ بات اصولی ہے کہ اُنھیں جس طرح پیش کیا جاتا ہے، بعینہٖ اُسی طرح قبول کرنا لازم ہے۔ اِس لیے کہ یہ انبیاء کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اِس باب میں انسانیت کی بالکل واضح اور صریح رہنمائی فرمائیں۔ اِس عمل میں وہ اپنے مخاطب معاشرے میں موجود کسی غلط رویے یا عقیدے کو ضمنی طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ اُن کا کام نہیں ہوتا کہ ہر ممکنہ گمراہی کی تردید کریں، کیونکہ گمراہی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ چنانچہ اِس باب میں اُن کا کام صرف صحیح بات بتانا ہوتا ہے۔ ایمانیات کے ضمن میں اِس صحیح بات میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی، کمی، اضافہ، یہ سب عین کفر ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام توحیدِ خالص کی دعوت دیتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ بعد میں اُن کے پیروکاروں نے اُن کی توحیدِ خالص کی دعوت میں یہ اضافہ کر دیا کہ عیسیٰ ہی خدا ہیں، یعنی مسیح ابن مریم اللہ تعالیٰ کا جسدی ظہور ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تثلیث کے تکون میں تین میں سے تیسرا ہے۔ یہ دونوں، وہ اضافے تھے جو توحید سے متعلق ایمانیات کے ضمن میں عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم میں بعد میں کیے گئے تھے۔ مگر اِن اضافوں کو قرآن نے صراحت کے ساتھ سورہ مائدہ آیت 73-72 میں کفر قرار دیا۔ چنانچہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایمانیات میں اضافہ کرنا کوئی علمی غلطی نہیں، بلکہ کفر ہے۔ چنانچہ نبوت کے باب میں قرآن مجید کی یہ تعلیم کہ اِس میں ایمان سرتاسر محمد رسول اللہ پر ایمان اور اُن سے پہلے کے اُن انبیا پر ایمان

ہے جن کو خود قرآن نے خدا کے پیغمبر بتایا ہے، لہٰذا اِس امر میں من گھڑت اضافہ کرنا، اُسے اسلامی ایمانیات میں شامل کرنا، بالبداہت واضح ہے کہ یہ کفر ہے۔

احمدی حضرات کی اِس گمراہی کی سنگینی کو یہ حقیقت مزید واضح کرتی ہے کہ صرف ایمانیات ہی نہیں، بلکہ اِس سے ہٹ کر بھی دین کے مشمولات میں کسی قسم کا اضافہ کرنا، اپنے اوپر وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا، اللہ پر جھوٹ گھڑنا، بغیر علم کے اللہ کے نام پر دین بیان کرنا قرآن کے نزدیک ایک نہایت سنگین اور بڑا جرم ہے۔ اِس پر ہم نے ایک الگ مضمون تحریر کر کے یہ بتایا ہے کہ قرآن اِس پر کتنے سخت تبصرے کرتا ہے اور یہاں تک کہ اِسے شرک کے درجے کا گناہ قرار دیتا ہے۔

کفر، کافر، غیر مسلم اور دعوت

یہاں البتہ یہ واضح رہے کہ ہم جس وقت کفر کا لفظ بول رہے ہیں تو اِس سے ہمارا مقصود کسی فرد یا گروہ پر کفر کا ایسا حکم لگانا قطعاً نہیں ہے، جس کا حق صرف اللہ اور اُس کے رسولوں ہی کو حاصل ہوتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے مخاطبین کے سامنے حق کو آخری درجے میں واضح کر کے اُن پر اتمام حجت کر دیتے اور اُن کے اخروی انجام کا فیصلہ اِسی دنیا میں سنا دیتے ہیں۔ محمد رسول اللہ کی آخری رسالت کے بعد یہ حق، ظاہر ہے کہ نہ کسی عالم کو حاصل ہے، نہ علما کے کسی گروہ کو اور نہ ہی کسی ریاست کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے۔ اِس کی جسارت اب کوئی کرے گا تو اُسے جان لینا چاہیے کہ اُس کا یہ عمل اللہ اور اُس کے رسول کی جگہ خود کو رکھنے کا عمل ہوگا، جس کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ کفر ایک رویہ ہے جو کہیں پایا جائے تو اُسے بیان کیا جائے گا، مگر مذکورہ بالا قرآنی اصطلاحی معنی میں کسی کو کافر قرار دینا ایک خدائی فیصلہ ہے، جس کا حق اب کسی فرد یا اجتماع کو حاصل نہیں ہے، اِس لیے کہ یہ درحقیقت کسی کی آخرت کا فیصلہ سنانا ہے، جو وحی و رسالت کے بغیر ناممکن ہے۔ اِس مضمون میں ہم تو احمدی حضرات کے نقطۂ نظر میں پائی جانے والی گمراہی کی

نوعیت کو واضح کر رہے ہیں کہ یہ کس درجہ سنگین ہے۔ یہ کام بہر حال دین کے طالب علموں کو کرنا ہی ہوتا ہے اور یہ اُن کی ذمہ داری ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اِس بحث میں احمدی حضرات کا محض ریاستی و قانونی حیثیت میں غیر مسلم قرار دیا جانا زیر بحث ہے۔ یہ ایک قانونی بحث ہے، جس کا تعلق دنیا میں شناخت اور دیگر قانونی معاملات سے ہے۔ ریاستِ پاکستان نے بھی اُنھیں غیر مسلم قرار دیا ہے، نہ کہ اُس معنی میں اُن پر کافر ہونے کا حکم لگایا ہے، جس کا حق، جیسا اوپر بیان ہوا ہے، اِس دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ ریاست نے اُنھیں غیر مسلم قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک سورہ توبہ کی آیت کی رو سے یہی اِس معاملے میں درست قانونی اور دینی رویہ ہے۔ اِس کے بعد ہمارا اصل کام اُنھیں صحیح دین بتانا اور سمجھانا ہے۔ حق کی دعوت دینا ہے۔ ہمارے کسی کو کافر کہنے سے اللہ نے اب اِس دنیا میں کوئی فیصلہ نہیں سنانا۔ ہاں البتہ، کوئی شخص خود اپنے آپ کو کسی بات کا منکر کہتا ہو تو اُسے اُس حوالے سے کافر یا منکر کہا جا سکتا ہے، جیسے ہم نے شروع میں اپنے متعلق کہا کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے تو ہمیں مرزا صاحب کا کافر کہا جا سکتا ہے۔ ہمیں اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

حضور اور صحابہ کا رویہ

یہ بھی واضح رہے کہ نبوت کے معاملے میں تو زیر بحث مسئلہ ویسے بھی محض کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ اِس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعوے کرنے والے خود آپ کے زمانے ہی میں اور اُس کے فوراً بعد نمودار ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ معاملہ اُسی وقت طے ہو گیا تھا کہ نبوت میں یہ اضافہ کرنا اصلاً ارتداد، یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہو جانا ہے۔ مسیلمہ کذاب کے سفیر جب بارگاہ رسالت میں اُس کے خط کے ساتھ حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے اُن کا اپنا موقف پوچھا۔ اُنھوں نے مسیلمہ کی تائید کی تو آپ نے فرمایا کہ سفیروں کے قتل کی ممانعت نہ

ہوتی تو تم دونوں کی گردنیں ماردی جاتیں (سنن ابی داؤد، رقم 2761)۔ یہ واقعہ بتارہا ہے کہ حضور نے اُن کی طرف سے مسیلمہ کی تصدیق کو اُن کے اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجانے پر محمول کیا اور وہ سزا بیان کردی جو منکرین رسالت کے لیے قرآن نے بیان کی تھی۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا ایمانیات میں ایسا اضافہ کرنا ایک اجتہادی خطا ہے۔

چنانچہ اِسی بنا پر جزیرہ نمائے عرب میں صحابہ کرام نے سارے مدعین نبوت کے خلاف جنگ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کے مخاطب بنی اسماعیل پر لازم تھا کہ وہ دین اسلام کے ایمانیات کو بعینہٖ قبول کریں ورنہ ان کے کفر کی پاداش میں ان سے جنگ کرکے قتل کردینے کا حکم تھا۔ مگر منکرین رسالت کو یہ سزا فرشتوں نے نہیں، بلکہ صحابہ کرام نے دینی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ ان کو بتایا جائے کہ کون سی شرائط پوری کرنے کے بعد کسی شخص کو قانونی طور پر مسلمان سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ تین شرائط بیان کردی گئیں کہ کسی شخص کا اپنے کفر سے توبہ کرلینا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، اس کے دعوائے اسلام کو قانون وریاست کی سطح پر قابل قبول بنادے گا۔ یہ سزا رسول کے اتمام حجت کے بعد ان کے مخاطبین کے لیے خاص تھی، مگر کسی کے دعوائے اسلام کی قانونی سطح پر قبولیت کے لیے یہ شرائط ایک ابدی معیار بن گئیں۔

بہرحال صحابہ کرام کا ان سے جنگ کرنا صاف بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک مدعین نبوت نے یہ دعویٰ کرکے اور اُن کے پیروؤں نے اِس دعوے کو قبول کرکے کفر کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قانونی طور پر دائرہ اسلام سے باہر ہوچکے تھے۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ نئی نبوت کا ہر دعویدار اور اس کا ماننے والا اتنے سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے کہ اس کا دعویٰ اسلام قانون وریاست کی سطح پر رد کیا جاسکتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پیچھے کہیں عرض کیا تھا کہ قانون وریاست کی سطح پر کسی گروہ کے دعوائے

اسلام کو قبول کرنے کے لیے مطلوبہ شرائط (یعنی کفر سے باز آنا، نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام) پر اصرار کرنا یا نہ کرنا ریاست کی اپنی صوابدید ہے۔ حضور کا اُسوہ اِس معاملے میں یہ تھا کہ اِس طرح کی چیزوں کی شناعت میں تو کوئی شک نہیں، مگر سمجھانے کا رویہ اختیار کیا جائے۔ لوگوں کو مہلت اور رعایت دی جائے۔ دعوت و تلقین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ حضور کا ردعمل مسیلمہ کے سفیروں کے معاملے میں کیا تھا، مگر آپ نے اِس کے خلاف کوئی لشکر بھیجنے کے بجائے ایک ناصحانہ خط بھیجنے پر اکتفا کیا۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے قبول اسلام کے وقت اُن کی یہ شرط قبول کر لی تھی کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیں گے (سنن ابی داؤد، رقم 3025)۔ جبکہ دوسری خلافت راشدہ میں صحابہ کرام نے مدعین نبوت اور ان کے پیروؤں کے علاوہ منکرین زکوٰۃ کو بھی کوئی رعایت دینے سے قطعاً انکار کر دیا تھا۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شرائط پر کچھ رعایت دینا یا نہ دینا ریاست کی صوابدید ہے۔ مسلمان ریاستوں نے اِس معاملے میں ایک سخت موقف اختیار کر کے احمدی حضرات کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا ہے۔ اِس بارے میں سماجی اور دعوتی پہلو سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اِس فیصلے کو کرنے کا کوئی حق اُنھیں حاصل نہیں تھا یا یہ کہ احمدی حضرات کا معاملہ کوئی ہلکا ہے۔ اُن کی گمراہی بہت سنگین نوعیت کی ہے اور اُن کا دعویٰ چونکہ مرزا صاحب کی نبوت کا دعویٰ ہے، اِس لیے عقلی اور ایمانی طور پر وہ بھی مجبور ہیں کہ اُن کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیں اور اُن کے خلاف سخت رویہ اختیار کریں۔ یہیں سے وہ سماجی مسئلہ پیدا ہوا جس نے باقی مسلمانوں کو اُن کے خلاف ایک سخت موقف اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اِس لیے اِس معاملے میں صرف مسلمانوں کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ اُنھوں نے بلاوجہ ایک سخت موقف اختیار کر لیا یا یہ کہ وہ یہ سخت موقف بعض دوسرے گروہوں کے خلاف کیوں اختیار نہیں کرتے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری اور خلاصہ بحث

تاہم اِس حوالے سے مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ احمدی حضرات کو غیر مسلم قرار دیے جانے کے بعد اُنھیں کسی طور اُن حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا جو ہمارا دین غیر مسلموں کو اور دور جدید کی قومی ریاست اپنے شہریوں کو دیتی ہے۔ اِسی طرح مسلمانوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسی کوئی گمراہی اگر معاشرے میں پھیل رہی ہے تو خود اُن کے علم اور عمل میں اُس کی کیا اساسات ہیں جو اِس گمراہی کا سبب بنی ہیں۔ خاص کر ایمان و اخلاق میں اپنی پستی اور دعوت کے میدان میں اپنی غفلت پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے جو اِس طرح کی صورت حال کے فروغ کا سبب بنتی ہے۔ وگرنہ روز قیامت دوسروں کی گمراہی کا وبال اُن کے سر بھی آئے گا۔ کیونکہ نہ وہ اپنے علم و عمل میں اچھے مسلمان بنے، نہ دین کی اصل دعوت دوسروں تک پہنچاتے رہے۔

آخر میں اس بحث کا ایک خلاصہ ہم قارئین کی سہولت کے لیے پیش کر دیتے ہیں جو ہمارے نقطۂ نظر کا اجمالی بیان بھی ہے۔

- احمدی حضرات مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جس دعوائے نبوت کو تسلیم کرتے ہیں، وہ کوئی اجتہادی غلطی یا قرآن و حدیث کی غلط تاویل و توجیہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ اُنھیں قرآن کی کسی آیت سے اپنے نبی ہونے کی غلط فہمی ہوئی، نہ نزول مسیح کی احادیث ہی اُنھیں اِس جگہ تک لے جانے کا باعث بنی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر کو خود مرزا صاحب قبول نہیں کرتے۔ اُن کا دعوائے نبوت اُس وحی پر قائم ہے جو مرزا صاحب کی دانست میں اُن پر بارش کی طرح 23 سال تک نازل ہوتی رہی۔

- قرآن و حدیث کی توجیہ و تاویل انھوں نے جتنی کچھ کی، وہ اِس لیے کی کہ یہ دونوں اُن کے مسیح ہونے اور نبی ہونے کے دعووں میں رکاوٹ بن رہے تھے۔

❁ مرزا صاحب نے مسیح ہونے کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ اِس امت میں ایک نئی نبوت کا دعویٰ تھا، جسے گرچہ وہ امتی نبی کہہ کر اس کی شناعت کو کم کرتے رہے، مگر ساتھ ہی نہ ماننے والوں کو مرتد قرار دے کر یہ واضح کر دیا کہ اِس نبوت کے انکار کا مطلب کفر ہے۔

❁ مرزا صاحب کا دعوائے نبوت قرآن میں بیان کردہ نبوت پر اُس ایمان میں ایک اضافہ ہے جس میں صاف طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی اور پچھلے انبیا پر نازل ہونے والی وحی ہی کو نجات کی واحد شکل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں ایمانیات میں اضافہ بھی کفر ہے۔ احمدی حضرات چونکہ اِس دعویٰ نبوت کو قبول کرتے ہیں، اِس لیے اُن کی گمراہی کی نوعیت بھی اِسی لحاظ سے سنگین ہے۔

❁ سورہ توبہ آیت 11 میں اللہ تعالیٰ نے قانون وریاست کی سطح پر کسی شخص کے اسلام کی جو شرائط بیان کی ہیں، احمدی حضرات اُن میں سے پہلی شرط، یعنی قرآن میں بیان کردہ ایمانیات پر پورا نہیں اترتے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئے نبی کو مان کر ایمانیات کے اُس دائرے سے باہر نکل گئے ہیں، جو قرآن مجید نے مقرر کیا ہے۔

❁ اہل علم جب کسی شخص کے کفر، شرک یا بدعت میں مبتلا ہونے کی نشان دہی کرتے ہیں تو وہ اپنی دینی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، جس میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کی جاسکتی۔ مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی کے ایمان کی حقیقت کی نفی کر سکتے، اُس کے بارے میں حتمی کفر کا فیصلہ صادر کر سکتے اور اُس کی جہنم کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ انسانوں کے بارے میں اِس طرح کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرتے اور اپنے رسولوں کے ذریعے ہی سے کرتے ہیں، جس کے بعد ایسے مجرمین کی سزا کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ اِسی دنیا کی زندگی سے کر دیتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے ساتھ یہ سلسلہ تا قیامت موقوف ہو چکا ہے۔ اب روزِ قیامت ہی وہ اپنے علم

کی روشنی میں لوگوں کا فیصلہ سنائیں گے۔

- کسی گروہ کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ کسی فرد کا نہیں، بلکہ ریاست کا اختیار ہے۔ یہ سرتا سر ایک قانونی معاملہ ہے جو ریاست کی سطح پر کیا جاتا ہے۔ ریاستِ پاکستان نے قادیانی حضرات کے بارے میں یہ فیصلہ اگر کیا تو اسلام میں اِس کی اجازت ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ریاست کو بعض قانونی تقاضے نبھانے پڑتے ہیں یا قانون کو بعض اوقات سماجی اور مذہبی قضیوں کا فیصلہ کرنے کے لیے قانونی سطح پر یہ طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کسی شخص کا مذہب کیا ہے۔
- اِس بحث میں کسی کو کافر قرار دیا جانا زیر بحث نہیں۔ یہ صرف اللہ اور اُس کے رسول کا حق ہے کہ کسی کو کافر قرار دیں۔ یہاں قانون و ریاست کی سطح پر ایک گروہ کا مسلمان قرار دیا جانا یا نہ دیا جانا زیر بحث ہے کہ معاشرے میں اُس کی شناخت ایک مسلمان گروہ کی ہوگی یا غیر مسلم گروہ کی۔
- یہ بات البتہ، ریاست پر لازم نہیں ہے کہ ہر موقع پر اور ہر گروہ یا فرد کے حوالے سے اپنے اِس اختیار کو استعمال کرے۔ اِس کا انحصار گمراہی کی سنگینی، سماجی عوامل، حکمت دین اور دعوت دین کے مصالح پر ہے۔
- ریاست اگر کسی گروہ کو غیر مسلم بھی قرار دے دے تو اُسے اُس کے اُن حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا جو اسلام نے غیر مسلموں کو دیے ہیں۔ چنانچہ اُنھیں تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اِسی طرح اُن کو کسی سطح پر ایذا دینا اور ان کے حقوق پامال کرنا سنگین مذہبی اور اخلاقی جرم ہے۔
- مسلمانوں کو خود یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اُن کے علم و عمل میں وہ کیا چیزیں ہیں جو اِس طرح کی گمراہیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ اِسی طرح اُنھیں اپنی دعوتی غفلت سے بھی باہر نکلنے کی ضرورت ہے۔ وگرنہ روز قیامت اُن کی پرسش بھی ہوگی کہ وہ دوسروں کی گمراہی کے ذمہ دار بنے۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد

نبوت کی تصدیقی اسناد اور ختم نبوت

یہ تو درست ہے کہ کوئی جھوٹا شخص نبی نہیں ہوسکتا، لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہر صادق کے ہر دعویٰ کا سچا ہونا بھی لازم نہیں۔ حقائق اس کے برعکس موجود ہیں کہ انسانوں سے جھوٹ نہ بولنے والے بھی بعض اوقات خدا پر جھوٹ باندھ دیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وضع حدیث میں سب سے زیادہ حصہ ''صالحین'' کا رہا ہے جن پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ یہ بڑی نیک نیتی سے حدیثیں گھڑا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو نیکی کی راہ پر لایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ امکان بھی پوری طرح موجود ہے کہ کوئی صالح شخص کسی نفسیاتی عارضے (مثلاً شیروفرینا) کی بنا پر دعوی کر بیٹھے کہ وہ خدا یا فرشتوں سے مخاطبت کا شرف رکھتا ہے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ سیاسی مقاصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مذہبی اور سیاسی قائدین کو مزعومہ سلام، پیغام اور مقدس خوابوں کا عام استعمال تو ہمارے دور کی بات ہے۔ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ نبی کے مخاطب ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ پہلے نبی کے کردار کا مشاہدہ کر کے اس کی صداقت کا یقین حاصل کرے اور پھر اس پر ایمان لائے۔ چنانچہ فرد کا ذاتی صدق و کردار نبوت کی تصدیق کے لیے حتمی معیار نہیں بنایا جا سکتا۔

1.1 نبوت کی تصدیقی اسناد کیا ہیں؟

انبیا کی سرگزشتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نبوت کی تصدیقی اسناد کی دو صورتیں رہیں: ایک یہ کہ جن اقوام میں پہلی بار کوئی نبی آیا اور ان میں نبوت کی روایت موجود نہ تھی یا وہ اس سے مانوس نہ تھے، وہاں انبیا کو متشککین اور مکذبین کے سامنے اپنی بعثت من جانب اللہ ثابت کرنے کے لے بینات، یعنی معجزات دیے گئے۔ انھیں برہان یعنی نشان کا نام بھی اسی

لیے دیا گیا کہ وہ نبوت کی تصدیق کے لیے بطور نشان الٰہی دیے جاتے ہیں۔ یہ معجزات، قوم کے حالات اور نفسیات کو مدنظر رکھ کر دیے جاتے تھے۔ مثلاً ساحری کے شعبدوں سے متاثر فرعونیوں کو مرعوب اور قائل کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے دو معجزات دیے گئے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے فراعنہ کو قائل اور عاجز کرنے کے لیے قرآن مجید کی زبان و بیان کا معجزہ اس چیلنج کے ساتھ دیا گیا کہ اگر یہ انسانی تصنیف ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دیں۔ یہ معجزہ بھی ان کے حالات اور نفسیات کے مطابق تھا۔

تصدیقی سند کی دوسری صورت یہ تھی کہ جس قوم میں نبوت کی روایت موجود تھی، ان کے پہلے انبیا آنے والے انبیا کی آمد کی تصدیق کیا کرتے تھے۔ اس کی پھر دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ پہلے انبیا آنے والے انبیا کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتے۔ یہ پیشین گوئیاں آنے والے انبیا کے ذاتی اور مخصوص صفاتی ناموں اور خصوصیات کے ساتھ بیان کی جاتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ایک نبی اگر اپنے سے پہلے نبی کی زندگی میں ہی آ جاتا تو پہلا نبی بعد والے نبی کا پانی یا تیل سے مسح کر کے اس کی نبوت کا اعلان کرتا۔ یہ دونوں طریقے بنی اسرائیل میں رائج تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت رہی کہ ان کے لیے تصدیقی اسناد کی ساری صورتیں جاری کی گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یوحنا تک مسیح علیہ السلام کی آمد کے بارے میں مسلسل پیشین گوئیاں ان کے مخصوص صفاتی نام، ''مسیح'' اور شخصی خصوصیات کے ساتھ کی گئیں۔ اس کے علاوہ معجزات کی کثرت بھی ان کے ہاتھوں سے دکھائی گئی۔ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل پر اپنے معجزات اور ان پیشین گوئیوں کی ذریعے سے اتمام حجت کرتے جن میں آپ کی آمد کا تذکرہ آپ کے نام اور صفات سے کیا گیا تھا۔ (یوحنا، 10: 24-25، متی، 11: 2-6)

2۔ انبیا کی آمد کے بارے میں کی جانے والی پیشین گوئیوں کی خصوصیات:

پیشین گوئیوں کے ذریعے سے نبوت کی تصدیقی سند کا اجرا حضرت ابراہیم کی ذریت میں جاری کیا گیا جن میں نبوت ایک روایت کے طور پر ان میں مسلسل موجود رہی۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ آنے والے انبیا کی پیشین گوئیوں میں ان کی خصوصیات ہی نہیں، ان کے ذاتی اور مخصوص صفاتی ناموں کا بھی ذکر کیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس پیشین گوئی کو نوشتہ الٰہی میں درج کیا جاتا تھا۔ اسے روایت کی صورت میں درجہ تواتر تک پہنچایا جاتا تھا تاکہ کسی کو کوئی ابہام نہ رہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل ہر آنے والے نبی کے نام اور صفات سے واقف اور اس کے منتظر رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور محمد علیہم السلام کی بشارتیں، موسیٰ علیہ السلام سے یحییٰ تک مسیح علیہ السلام کی بشارت اور زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت، ان سب کے ذاتی اور صفاتی ناموں اور خصوصیات کے ساتھ ملنا ہمارے علم میں ہے۔ پھر یحییٰ علیہ السلام نے مسیح علیہ السلام کی آمد کی باقاعدہ منادی کی اور مسیح علیہ السلام نے محمد رسول اللہ کی آمد کا اعلان تسلسل سے کیا۔ پیشین گوئیوں کا یہ تسلسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر رک جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے آخری دور میں وہ تین انبیا کے منتظر تھے جن کے صفات ہی نہیں، ان کے نام بھی انھیں معلوم تھے یعنی ایلیاہ، مسیح اور احمد/محمد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ان دونوں ناموں سے ان کے ہاں موجود تھی۔ ان تینوں شخصیات کا ذکر اکٹھا ایک جگہ یوحنا کی انجیل میں آیا ہے، (یوحنا، 28-19 :1)۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئی آپ کے ذاتی نام ''احمد'' سے پیش کی تھی:

''یاد کرو، جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا : اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف خدا کا بھیجا

ہوا رسول ہوں، تورات کی اُن پیشین گوئیوں کا مصداق ہوں جو مجھ سے پہلے موجود ہیں، اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر اُن کے پاس جب وہ کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا تو اُنھوں نے کہا : یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''، (الصف:6:61)

بائبل کے مترجمین نے معلوم ہوتا ہے کہ ''احمد'' کے نام کے ساتھ کی گئی پیشین گوئیوں میں 'احمد ' کے نام کا بھی ترجمہ کر دیا۔ چنانچہ کسی نے اس کا ترجمہ مددگار کیا ہے۔ کسی نے وکیل کسی نے شفیع، کسی نے سچائی کی روح۔ رہا یہ کہ وہ لفظ کیا ہے تو یوحنا میں جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے وہ (PARACLETUS) بتایا جاتا ہے، جس کے معنی بیان کرنے میں وہ موشگافیاں کی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ یہ یونانی لفظ ظاہر ہے کہ کسی سریانی لفظ کا ترجمہ ہوگا اس لیے کہ انجیل کی اصل زبان سریانی تھی تو اب اس کی تحقیق کون کرے کہ وہ کیا تھی۔ جب ایک لفظ کو گم کرنے کی جدوجہد میں صدیوں سے ایک پوری قوم کی قوم لگی ہو تو اس کا سراغ لگانا کس کے امکان میں ہے! یہ تو قرآن کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کا کچھ سراغ دیا۔ بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سریانی لفظ منحمنا ہے جس کے معنی سریانی میں وہی ہیں جو محمد اور احمد کے ہیں۔ (تدبر قرآن، تفسیری نوٹ سورہ الصّف 6:61)

تاہم، بائبل میں سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات میں آپ کا نام 'محمدیم' آیا ہے جو اب تک محفوظ ہے۔ اس کے عبرانی الفاظ یہ ہیں:

''واکلُّو محمدیم''عبرانی قاعدے کے مطابق، محمدیم میں ی اور میم عبرانی میں جمع بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ تعظیم کے لیے واحد کو جمع بنا لینا تقریباً ہر زبان کا اسلوب ہے۔ وہی یہاں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب ''وہ سراپا محمد عظیم ہیں'' یا سراپا قابل تعریف بنتے ہیں۔ نیز یہ یہاں اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جو شخصیت کے نام پر دلالت کرتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے، محمد رسول اللہ کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، ص 22 تا24)

قرآن مجید کے بیان کے مطابق، اہل کتاب قرآن مجید کو ایسے پہچانتے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے:

''(یہ حقیقت ہے کہ) جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اِس چیز کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔اور اِن میں یہ ایک گروہ ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے۔''،(البقرة2:146)

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار باران پیشین گوئیوں کے مصداق کی حیثیت سے پیش کرتا ہے جن کا ذکر تواتر سے اہل کتاب کی کتب اور روایت میں نقل ہوتا چلا آتا تھا:

''اور جب اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر اُن پیشین گوئیوں کے مطابق اِن کے پاس آ گیا ہے جو اِن کے ہاں موجود ہیں تو یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، اِن میں سے ایک گروہ نے اللہ کی اِس کتاب کو اِس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ اِسے جانتے ہی نہیں۔''،(البقرة1:101)

قرآن مجید میں جہاں ''مصدق لمامعهم یامعکم 'اور 'مصدقا لما بین یدیه من التوراة والانجیل'' آیا ہے، وہاں گزشتہ کتب کی موجودہ حالت کی تصدیق مراد نہیں،اس لیے کہ یہاں موقع نبوت کی دلیل بیان کرنے کا ہے، گزشتہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنے سے نبوت کی دلیل قائم نہیں ہوتی۔قرآن مجید کے ان مقامات میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نبی ان پیشین گوئیوں کا مصدق یا مصداق بن کر آ گیا ہے جنھیں وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں، اب وہ اسے پہچاننے سے انکار نہ کریں۔

'مصدق' کا ایک مطلب 'تصدیق کرنے والا' ہے وہی اکثر مفسرین نے لیا ہے، لیکن اس کا ایک دوسرا مطلب کسی متوقع بات کی تصدیق کرنا یا سچ کر دکھانا بھی ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں

آیا ہے:

''اِس میں کیا شبہ ہے کہ اُن پر ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ سو وہ اُسی کے راستے پر چلے، ایمان والوں کے ایک گروہ قلیل کے سوا۔''، (سبا20:34)

یہ دوسرا معنی آیت بالا اوراس جیسی آیات میں مراد لینا درست ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے ہاں موجود آخری نبی کی پیشین گوئیوں کے مصدق یعنی مصداق بن کر آئے ہیں۔ آپ نے آ کر ان پیشین گوئیوں کو سچ کر دکھایا۔ نبوت کی دلیل اگر بن سکتی ہے تو یہی بن سکتی ہے۔

نبی اسرائیل کے آخری دور میں آنے والے انبیا کی تعداد تین سے آگے نہیں بڑھی۔ 'وہ نبی'، 'عہد کا نبی'، 'محمدیم' یا 'احمد' کے بعد کسی اور نبی کی آمد کی پیشین گوئی نہیں کی گئی۔ ختم نبوت کی یہی دلیل کافی تھی کہ یہ امت اب کسی نئے نبی یا انبیا کی منتظر نہ رہتی۔ اس کو مزید موکد کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی گزشتہ انبیا کی روایت کے برعکس یہ اعلان کر دیا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور آخر میں قرآن مجید میں ختم نبوت کا ذکر کر کے سلسلہ انبیا کے اختتام پر آخری درجے میں مہر لگا دی گئی۔

2.1۔ ''خاتَم'' کا مفہوم:

''خاتَم'' کے لفظ میں زینت یا افضلیت یا کمال درجہ کا اختتام کا اضافی معنی پیدا کرنے کی کوئی گنجایش نہیں۔ ''خاتَم'' کا معنی انگوٹھی یا مہر ہے، انگوٹھی کو بھی مہر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اس لیے یہ ایک ہی لفظ دونوں کے لیے مستعمل ہو گیا۔ یعنی ''خاتَم'' کا اصل مطلب مہر ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں زینت کا مفہوم آپ سے آپ شامل نہیں، جب تک زینت کے لیے الگ لفظ نہ لایا جائے جو خاتَم کو موصوف قرار دے کر اس کی صفت بنے۔ جیسے کتاب کہہ دینے سے کوئی کتاب دلچسپ کتاب نہیں بن جاتی، جب تک اس کے دلچسپ ہونے کا مفہوم دینے والا لفظ

بطور صفت ساتھ موجود نہ ہو، اسی طرح محض مہر کہنے سے مہر کی زینت بیان نہیں ہو جاتی جب تک اس کی زینت بیان کرنے کے لیے کوئی دوسرا لفظ ساتھ موجود نہ ہو، یا پھر اس کے لیے کوئی واضح قرینہ ہو جیسے ''خاتم المَلِک'' یعنی بادشاہ کی انگوٹھی۔ مہر کے لیے تو زینت کا مفہوم موزوں بھی نہیں، یہ انگوٹھی کے لیے ہی موزوں ہو سکتا تھا، لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے یہاں انگوٹھی کا مفہوم کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ بشمول احمدی حضرات کے کسی نے بھی اس کا مفہوم انگوٹھی نہیں لیا۔ یعنی یہ کہنے کا کوئی محل نہیں کہ یہ رسول، نبیوں کی انگوٹھی ہیں، اور اس کا مزین ہونا بھی بیان میں نہیں آیا۔ اس لیے بالاتفاق ''خاتَم'' سے یہاں مہر کے معنی ہی لیے جا سکتے ہیں جس میں زینت کا کوئی مفہوم شامل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اسی بنا پر مہر کے لفظ میں افضلیت کا بھی کوئی مفہوم شامل نہیں۔ اس لیے کہ افضلیت کا مفہوم زینت ہی کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔ جب زینت کا مفہوم یہاں مفقود ہے تو افضلیت کا مفہوم بھی موجود نہیں ہے۔

''خاتَم'' میں کمال درجہ کے اختتام کا بھی کوئی مفہوم پایا نہیں جاتا۔ یہ مفہوم پیدا کرنے کے لیے جو استدلال کیا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی دیکھ لیجیے:

یہ غلط فہمی خاتِم الشعرا اور خاتِم الاولیا جیسی تراکیب سے پیدا ہوئی ہے۔ استدلال یہ کیا گیا ہے کہ خاتِم الشعراء یا خاتِم الاولیا کا مفہوم آخری شاعر یا آخری ولی نہیں ہوتا بلکہ صاحب خطاب کے کمال پر دلالت کا یہ مجازی اسلوب ہے کہ اس جیسا با کمال شاعر یا ولی دوبارہ نہیں آئے گا، لیکن اس سے کم تر درجے کے لوگ آ سکتے ہیں۔ اس استدلال میں غلطی یہ ہوئی ہے کہ یہ ترکیب 'ت' کے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ مستعمل ہے، فتح یعنی زبر کے ساتھ نہیں۔ یعنی یہ خاتِم الشعراء یا خاتِم الاولیا ہے نہ کہ خاتَم الشعراء اور خاتَم الاولیا۔ کلامِ عرب میں یہ ترکیب کمال درجہ کے اختتام کے مفہوم میں لفظ خاتَم کے ساتھ مستعمل نہیں ہے جب کہ قرآن نے لفظ خاتَم استعمال کیا ہے۔

میری بساط بھر تلاش وتحقیق کے بعد معلوم یہ ہوا ہے کہ تائے مکسورہ کے ساتھ خاتم الشعراء جیسی تراکیب جو کمال درجہ کے اختتام پر دلالت کرتی ہیں، زمانہ جاہلیت کے کلامِ عرب کے اسالیب میں موجود نہیں ہے،اس کا سب سے پہلے استعمال ابوبکرالصولی (وفات 335ھجری) کی کتب میں ملا ہے جو چوتھی صدی ہجری کا ادیب ہے۔اس نے اس ترکیب کو کچھ یوں برتا ہے:

وفلان خاتم القوم وخاتمتهم أی آخرهم (أدب الکتاب للصولی) (ص140)

''فلاں خاتم القوم ہے یعنی ان کا آخری آدمی''

یہاں خاتم پر کوئی اعراب نہیں،تاہم،خاتمتھم سے یہاں خاتم کی ت پر کسرہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ اگر بفتح ت بھی ہو تو معنی یہاں بھی مصنف نے آخری آدمی ہی مراد لیا ہے نہ کہ کمال درجے کا آخری آدمی۔اسی مصنف کے ہاں یہ ترکیب صرف ایک جگہ پر خاتم کی ت پر فتح کے ساتھ بھی استعمال ہوئی ہے۔پورے کلام عرب سے فقط یہ ایک ہی شعر ہے جو خاتم بفتح ت بمعنی اختتامِ کمال کے مفہوم میں احمدی حضرات کی طرف سے پیش کیا جا سکا ہے:

فُجِعَ القَرِیضُ بخاتَمِ الشُّعراءِ ...

وغَدیرِ رَوُضَتِهَا حَبیبِ الطّائی (کتاب فی أخبار أبی تمام .ألفه الصولی، أخبار أبی تمام ،ص(43)

یہ معلوم ہے کہ قرآن مجید پر کلام عرب سے کوئی استشہاد پیش کرنے کا اصول یہ ہے کہ وہ شاہد قرآن سے پہلے موجود ہو۔ یہ ترکیب اول تو ایجاد ہی قرآن کے بعد کے دور کی ہے، دوسرے یہ کہ یہ ''خاتم'' کی ت کے کسرہ کے ساتھ مستعمل ہے، جب کہ قرآن میں یہ تائے مفتوحہ کے ساتھ آئی ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ ابوبکرالصولی کے کلام میں اگر یہ تائے مفتوحہ کے ساتھ پائی گئی ہے تو اس میں دو احتمالات ہیں :ایک یہ کہ یہ کاتب کی خطا ہو سکتی ہے،شاعر نے اسے تائے مکسورہ کے ساتھ ہی برتا ہوگا، دوسرے یہ کہ شاعر نے تائے مفتوحہ کے ساتھ اس کا یہ استعمال

قرآن سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ مزید یہ کہ تائے مفتوحہ کے ساتھ یہ ترکیب رواج بھی نہیں پاسکی۔ رواج پا بھی جاتی تو بھی قرآن کے بعد کے دور کی ہونے کی بنا پر یہ قرآن پر استشہاد نہیں بن سکتی تھی۔

پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک روایت ہے جس میں ''خاتم'' بفتح ت کو اس معنی میں پیش کیا جاتا ہے کہ آخری سے حقیقی آخری مراد نہیں، بلکہ مجازاً کمال درجے کا آخری فرد مراد ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو ''خاتَم المھاجرین'' فرمایا گیا ہے۔ احمدی حضرات کے مطابق اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی اور مہاجر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ الفاظ ''افضل المھاجرین'' کے معنی میں آئے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسول اگر آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں تو میں وہاں سے ہجرت کر کے آؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے چچا اطمینان رکھیے۔ آپ خاتم المھاجرین ہیں جیسے میں نبوت میں خاتم النبین ہوں۔ (فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل)

سند کے لحاظ سے یہ ایک منفرد اور غریب روایت ہے، یعنی یہ فقط ایک ہی سند سے منقول ہے۔ اس کے راوی اسماعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت انصاری خزرجی کو محدثین نے ضعیف، منکر الحدیث، اور متروک قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال، ج 1 ص 245، مجمع الزوائد، ج9، ص269)

سند کی غرابت سے قطع نظر، کلام عرب کے معیار سے اس کا متن قابل قبول ہو بھی تو یہ روایت بھی اُس ہجرت کے خاتمے کا اعلان سنا رہی ہے جس کا کرنا اس وقت کے مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عباس فتح مکہ سے کچھ ہی وقت پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے

تھے۔ اس کے فوراً بعد ہی مکہ فتح ہوا اور لازمی ہجرت کا حکم ختم ہو گیا تھا۔ گویا حضرت عباس آخری مہاجر تھے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ چنانچہ اس روایت سے بھی اختتام سے حقیقی اختتام کا مطلب ہی واضح ہوتا ہے نہ افضل المہاجرین کا۔ نیز عقلی طور پر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کہ وہ لوگ جنھوں نے اسلام کے شروع کے مشکل دور میں اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال کر ہجرت کی، ان کی ہجرت سے اس آخری دور کی ہجرت کو افضل قرار دے دیا جائے جب کہ حالات مسلمانوں کے حق میں پلٹ چکے تھے۔

اسی ضمن میں صوفیانہ حلقوں میں مشہور ایک اور روایت بھی پیش کی جاتی ہے جس میں حضرت علی بن ابی طالب کو خاتم الاولیاء کہا گیا ہے:

انا خاتم النبين و انت يا على خاتم الاوليا

''میں خاتم النبین ہوں اور تم اے علی خاتم الاولیا ہو۔''

یہ روایت موضوع ہے، اور گھڑنے والے نے نہ صرف روایت گھڑی بلکہ اولیاء کو صوفیا کے خاص مفہوم میں بھی گھڑا، حالاں کہ یہ درحقیقت اس مفہوم میں ہندوستان کی اختیار کردہ اصطلاح ہے جو کلام عرب کے لیے اجنبی ہے۔

2.2۔ ''خاتم النبیین'' کا مطلب:

خاتم یعنی مہر کے دو مفاہیم پیش کیے جا سکتے ہیں، seal یعنی مہر بند اور stamp۔ یعنی اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سلسلے کے لیے مہر بند ہیں، اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، سیاق سباق کے لحاظ سے یہی مفہوم درست ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نبیوں کے تصدیق کرنے والے ہیں۔ احمدی حضرات کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہر، مہر لگانے کے عمل میں نقش پیدا کرتی ہے جو تصدیق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب جس شخص پر نبوتِ محمدی کا نقش ہو گا وہ نبی ہو گا۔ آیت

کے سیاق وسباق میں اس مفہوم کے لیے کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بحث کر کے دکھایا۔ آیت کے سلسلہ کلام میں یہ کہنا تو موزوں ہے کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اس لیے متبنی کی مطلقہ سے نکاح کی بدعت کا خاتمہ آپ سے کرانا ضروری ہے لیکن یہاں یہ کہنے کا کیا موقع ہے آپ نبیوں کی مہر ہیں جو نقش پیدا کرتی ہے؟ ہمارے جن علما نے خاتم میں زینت اور افضیلت کے معنی پیدا کیے ہیں، انھوں نے ایسا زبان کے کسی قاعدے یا استعمال کی بنا پر نہیں کیا بلکہ شاید عقیدت میں کیا ہے۔ کیونکہ کلام عرب میں اس کا کوئی ثبوت ہمیں نہیں مل سکا۔

کلام عرب میں خاتم کا لفظ مہر کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت زیر بحث میں یہ مہر یعنی مہر بند کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے موزوں نہیں۔ اس معنی میں کلام عرب میں ''خاتم البرید'' ڈاک کی مہر، ''خاتم الکتاب''، کتاب پر مہر جیسی تراکیب مستعمل ہیں جو یہی مفہوم دیتی ہیں کہ مہر لگنے کے بعد اس میں مزید کسی چیز کے دخول کی گنجائش نہیں ہے۔

تاہم بر سبیل تنزل یہ مفہوم تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مہر نقش کے لیے اور نقش تصدیق کے لیے ہوتا ہے اور جو بھی نبی ہوا یا ہوگا وہ آپ کی تصدیق سے تسلیم کیا جائے گا۔ اب گزشتہ انبیا کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن آیندہ کوئی نبی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے کوئی تصدیق کہاں سے لا سکتا ہے؟ بعد کے لوگوں کے لیے رسول اللہ اس کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید اور حدیث سے کسی نئے رسول کی خبر ثابت نہیں ہے۔ آنے والے کسی نبی یا انبیا کی کوئی نشانیاں نہیں بتائی گئیں۔ تسلسل نبوت کا نظریہ اگر درست ہو تو بھی ہر آنے والے نبی کے ذاتی اور مخصوص صفاتی نام اور اس کی خصوصیات کا بیان محمد رسول اللہ سے ثابت ہونا ضروری ہے اور یہ اب کسی طرح ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بار بار اعلان کیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ پھر یہی نہیں، اِس سے آگے یہ بات

بھی آپ نے واضح کر دی ہے کہ نبوت کا منصب ہی ختم نہیں ہوا، اُس کی حقیقت بھی ختم ہو گئی ہے، لہٰذا اب کسی شخص کے لیے نہ وحی والہام کا امکان ہے اور نہ مخاطبہ و مکاشفہ کا۔ ختم نبوت کے بعد اِس طرح کی سب چیزیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی ہیں۔ خبر جسے عربی میں نباء کہتے ہیں، یہ جس پر خدا کی طرف سے بھی آئے اسے لفظی اور اصطلاحی اعتبار سے نبی کہا جا سکتا ہے۔ یہ چیز اب ختم کر دی گئی ہے۔ ''النبیین'' کے لفظ میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اس میں تمام قسم کے انبیا شامل ہیں۔ چنانچہ ''خاتم النبیین'' سے ہر قسم کے نبیوں کے سلسلے کا اختتام واضح ہو رہا ہے۔ اسی مضمر حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں واضح فرمایا:

''نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، صرف بشارت دینے والی باتیں رہ گئی ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا: اچھا خواب۔''، (بخاری، رقم 6990)

یہ خواب کسی کو نبی نہیں بنا سکتے، ان کی حد بتا دی گئی ہے، اور نہ کسی کو کسی نئے نبی کی نبوت پر ایمان لانے کی ترغیب دے سکتے ہیں کیونکہ نبوت تو ختم ہو چکی ہے۔ رحمانی خواب اور شیطانی یا نفسانی خواب میں بھی حد امتیاز اور فیصلہ کن اتھارٹی خدا کا کلام کرتا ہے۔ جو خواب وحی کی تصریحات کے خلاف ہو وہ نہ سچا ہے اور نہ خدا کی طرف سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث میں لفظ ''خاتم'' میں زینت، افضلیت، نقش پیدا کرنا اور کمال درجہ کے اختتام کے معانی نہیں پائے جاتے۔ اس کا ایک ہی مفہوم متعین ثابت ہوتا ہے اور وہ ہے مہر یعنی خاتمیت۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث، خاتمیتِ نبوت کے مفہوم میں قطعی اور محکم آیت ہے۔ ختم نبوت قرآن مجید سے قبل طے ہو چکا تھا جسے قرآن مجید نے قطعی طور پر موکد کر دیا۔

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

ماہنامہ

اِنذار

فون: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جا سکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0334-3799503 , 0345-8206011, 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR
DEC 2020
Vol. 08, No. 01
Regd. No. MC-1380
Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

''ملاقات''
اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

''کھول آنکھ زمیں دیکھ''
مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

''جب زندگی شروع ہوگی''
ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

''بس یہی دل''
دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

''قسم اُس وقت کی''
ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

''تیسری روشنی''
نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

''When Life Begins''
English Translation of Abu Yahya Famous book
Jab ZindagiShuruHo Gee

''حدیث دل''
موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

''قرآن کا مطلوب انسان''
قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں